

## عصر حاضر میں دینی مدارس کی اہمیت و ضرورت

از: مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی  
وادئ مصطفیٰ، شاہین نگر، حیدرآباد

اصلاحِ حال کے حوالے سے سرگرم مختلف تحریکوں اور تنظیموں کے نمائندہ لوگوں کی جانب سے یہ رویہ مشاہدے میں آرہا ہے کہ وہ دبی زبان میں مدارس کی افادیت اور ان کی نافعیت کا یا تو بالکل انکار کر رہے ہیں یا اپنی ناص فہم میں ان کی نافعیت کو بالکل محدود ٹھہرانے پر تلے ہیں۔ ان میں بعض حضرات تہذیبِ جدید کے مذہب بیزار اور مادہ پرست نظامِ تعلیم کے زیر اثر اس طرح کی بیمار اور مذموم ذہنیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، یہ لوگ قرآنِ فہمی اور حدیثِ دانی کے لیے اپنے محدود فہم میں عربی کی تھوڑی سی بھد بیا اس کے صرف ترجمہ پڑھ لینے ہی کو کافی سمجھ رہے ہیں، یہ لوگ مدارس کے تعلق سے ایسے طنز آمیز اور رکیک جملہ بازیوں اور اس قسم کی دریدہ دہنیوں سے بھی گریز نہیں کرتے کہ ”یہ مدارس معاشرے پر خیراتی بوجھ کے سوا کچھ نہیں ہیں“، گویا یہ اپنے اس طرزِ عمل کے پس پردہ مدارس کے سارے نصاب و نظام ہائے شب و روز کی تنگ و دو اور وہاں کی ساری نقل و حرکت کو فرسودہ، نامعقول، غیر نفع بخش اور تصحیح اوقات باور کرانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کے بالمقابل بعض حضرات وہ ہیں جو محض تبلیغی جماعت سے وابستگی اور اس کے طریقہ کار اور نظامِ عمل پر مکمل کار بند رہنے ہی کو مدارس کے دس بارہ سالہ تعلیمی و تربیتی دورانیہ کے ہم پلہ اور مماثل قرار دے رہے ہیں۔

حالاں کہ مدارس کو ان نوع بہ نوع اور ہمہ اقسام تحریکوں و تنظیموں کے بیچ وہی حیثیت حاصل ہے جو سارے نظامِ فلکی میں کوکب و سیارات کے مقابل سورج کو ہے کہ ان تمام کی ساری رونق، چمک دمک اور قوت کا اصل منبع اور سرچشمہ یہی سورج ہے، آپ آزادی ہند کے بعد کی اصلاحی یا رفاہی کسی بھی تحریک کے بنیادی ڈھانچہ اور اس کے ابتدائی مراحل کا جائزہ لیجیے، اس کا آخری سرا کہیں نہ کہیں انھیں مدارس سے مربوط نظر آئے گا، اس کی زمام اور باگ انھیں مدارس کے فارغ

التحصیل علماء کے ہاتھوں میں ہوگی، یا اس تحریک کے مختلف ادوار میں اس کی ترقی و ترویج اور تقویت کے یہی باعث نظر آئیں گے، آج بھی قرآن و حدیث پر گہری بصیرت، علوم اسلامیہ پر کامل دسترس اور ان علوم کے تیس وسیع نظر اور دور بین نگاہ چاہتے ہیں تو وہ انھیں مدارس اور اسی نصابِ تعلیم و تربیت کے زیر اثر حاصل ہوگی۔

### مدارس کے نصابِ تعلیم پر ہونے والے اعتراضات کا جائزہ

بعض لوگوں کا یہ مطالبہ کہ مدارس کے موجودہ نصابِ تعلیم کے ڈھانچہ کو یکسر بدل دیا جائے اور اس کی جگہ ایک ایسا نصاب رائج کیا جائے کہ جوان مدارس کے فارغین کی معاشی کفالت کا ضامن ہو، اس طرح کا مطالبہ نہ تو عقل و دانش کے موافق ہے اور نہ ہی یہ بات مدارس اسلامیہ کے قیام کے اہداف و مقاصد کے ہم آہنگ نظر آتی ہے، رہی جزوی ترمیم اور تبدیلی تو یہ علماء دین اور اربابِ مدارس وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ آج سے ساٹھ سال قبل داخل درس نظامی کا نقشہ موجودہ نصاب سے ملا کر دیکھیے، موجودہ نقشہ اس سے یکسر مختلف نظر آئے گا، ابھی فی الحال موجودہ احوال اور تقاضوں کے پیش نظر عالمیت سے فراغت کے بعد دو سالہ انگریزی زبان کا کورس بھی مدارس میں شروع کر دیا گیا ہے، اس کا ذوق رکھنے والے فارغ التحصیل طلباء اس شعبہ سے منسلک ہو کر انگریزی پر عبور حاصل کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے جب ایک دفعہ کسی نے نصاب میں تبدیلی کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے یوں فرمایا:

”جہاں تک نصاب کا تعلق ہے تو وہ بالکل قابلِ اطمینان ہے، یہ وہی نصاب ہے جس سے بڑے بڑے اکابر علماء تیار ہوئے ہیں؛ البتہ جزوی ترمیم و تغیر تو پہلے بھی ہوتی رہی ہے، اور آئندہ بھی ہوگی؛ البتہ اصل وہی ہیں جو نہیں بدل سکتے، جیسے صحاح ستہ اور قرآن کریم کی تعلیم، باقی جتنے علوم آئیہ ہیں، مبادی ہیں، ان میں جزوی طور پر تغیر و تبدیل ہوتا رہا ہے، نوعی طور پر نصاب وہی باقی رہا؛ اس لیے جہاں تک نصاب کا تعلق ہے وہ تو بالکل قابلِ اطمینان ہے۔“ (دینی مدارس، ابنِ احسن عباسی: ۱۱۰)

ہم ان حضرات سے جو مدارس کے نصاب و نظام کی مکمل تبدیلی کے طالب ہیں سوال کرتے ہیں کہ کیا ان میں سے کبھی کسی نے بڑے بڑے اسکول اور کالجس کے چلانے والوں یا بڑی بڑی میلوں، کمپنیوں اور کارخانوں کے ٹھیکیداروں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ لوگ وہاں طلباء اور کارکنان کو اس عصری تعلیم سے ہٹ کر یا کارخانے کی مصروفیت سے تھوڑا سا ٹائم علیحدہ کر کے، ان کے اسلامی

شعور کو بیدار اور زندہ رکھنے کے لیے، دینی تعلیم کا بھی کوئی نظم و نسق کریں؛ تاکہ ان کی اس دنیا کے ساتھ ان کی آخرت کی سدھار کا بھی سامان ہو جائے۔

مدارس کا موجودہ نصابِ تعلیم حذف و اضافہ تغیر و تبدل کے مختلف ادوار و مراحل سے گذر کر موجودہ حالت میں آیا ہے، یہ مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ علمی و تعلیمی تاریخ کا نچوڑ ہے، اس نصابِ تعلیم میں مختلف وقتوں میں تغیرات ہوتے رہے ہیں اور مختلف اثرات و احوال کے ماتحت اس میں ترمیم و ترمیم کا عمل جاری رہا ہے، آخر میں جس سلسلہٴ درس اور نصابِ تعلیم کی قسمت میں جہانگیری اور دوام و بقا لکھا تھا، جس کا سکہ ہندوستان سے لے کر افغانستان و ایران تک رہا، اس کے نامور بانی ”ملا نظام الدین سہالوی“ (م ۱۱۶۱) رہے ہیں، جن کا نصابِ تعلیم خفیف حذف و ترمیم کے ساتھ آج تک مدارس میں رائج ہے۔ (ہندوستانی مسلمان ۱۲۸)

### امتِ اسلامیہ پر مدارس کا احسانِ عظیم

جس طرح ایک انسان اپنی زندگی کی بقا کے لیے خوراک اور پوشاک کو ضروری خیال کرتا ہے، اسی طرح ایک حقیقی مسلمان اپنی اسلامی شناخت، تہذیبی خصوصیات اور معاشرتی امتیازات سے وابستگی اور اپنے ملی وجود کی حفاظت کو اس سے کہیں بڑھ کر اہمیت دیتا ہے، وہ کسی دام پر اپنے ملی تشخص اور اپنے امتیازات و شعائر سے دستبردار نہیں ہو سکتا؛ چونکہ خوراک سے پیٹ اور پوشاک سے جسم کی حفاظت تو ہو سکتی ہے؛ لیکن ایک حقیقی مسلمان کے پاس اس کے پیٹ اور جسم کے ان تقاضوں اور ان مادی ضرورتوں کے علاوہ بھی ایک اہم چیز اور بھی ہے، وہ ہے اس کا دین اور ایمان۔

مسلمان بھوکا تو رہ سکتا ہے؛ لیکن وہ اپنی تہذیبی خصوصیات سے دستبردار نہیں ہو سکتا، اگر وہ اس دین میں رہے گا تو اپنی ان تمام خصوصیات کے ساتھ، آج پوری دنیا میں مسلمانوں کو بحیثیت ایک ملت کے ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، آج ہمارا دشمن ہمارے ملی وجود اور تہذیبی خصوصیات کو چن چن کر ختم کرنے پر تلا ہوا ہے، اگر آج اسلام اپنی تمام خصوصیات و امتیازات کے ساتھ نظر آ رہا ہے، تو وہ انہیں مدارسِ عربیہ کے زیر احسان، شہر شہر، گلی گلی، قریہ قریہ، چھوٹی بڑی، کچی پکی جو مساجد آباد نظر آ رہی ہیں، مختلف تحریکوں کی شکل میں مسلمانوں کی اخلاقی و اعتمادی اور معاشی اصلاح کا جو جال ہر سمت بچھا ہوا ہے، یا کسی بھی جگہ دین کا شعلہ یا اس کی تھوڑی سی رمت اور چنگاری ہوئی نظر آ رہی ہے وہ انہیں مدارس کا فیض اثر ہے، اگر ان مدارس کا وجود نہ ہوتا تو آج ہم موجود ہوتے؛ لیکن بحیثیتِ مسلم نہیں؛ بلکہ ان حیوان نما انسان کے ان تمام درندہ صفت

خصوصیات کے ساتھ۔

ہندوستان میں عوامی نذرانے پر چلنے والے موجودہ شکل کے مدارس کی ابتدائی تحریک کا جائزہ لیجیے کہ کن اسباب و محرکات کے تحت اس نظام کے حامل مدارس کا آغاز ہوا؟ دراصل اس وقت بھی یہی صورت حال تھی کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے زمامِ اقتدار چھن چکا تھا، انگریزی قوم یہاں کے ہر سیاہ و سفید کی مالک ہو چکی تھی، اگر انھیں مستقبل میں اپنے اور اپنے اس آمرانہ حکمرانی کے بیچ کوئی چیز سب سے بڑی رکاوٹ اور حائل نظر آ رہی تھی تو وہ یہاں کی غیور، باحمیت اور زندہ دل مسلمانوں کی تھی، چونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کی موجودہ خست و ذلت سے نکال کر انھیں رفعت و بلندی کے اوجِ ثریا پر کوئی چیز پہنچا سکتی ہے تو وہ ہے، ان کا ایمان و ایقان اور ان کی دینی حمیت۔

انھوں نے اس کے لیے حکومت کے ماتحت چلنے والے تمام تعلیمی اداروں کے نصاب و نظام میں حذف و اضافہ شروع کر دیا، اس نصابِ تعلیم کی تبدیلی اور ترمیم کا راست اثر مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ پر ہو رہا تھا، وہ اپنی تہذیبی خصوصیات سے دستبردار ہو کر بحیثیت قومِ مسلم کے اپنا وجود کھورہے تھے، اس وقت بھی مدارس و مکاتب کی اسی تحریک ہی کے ذریعہ اسلام کا بچاؤ ممکن ہو سکا۔ مدارس کی اہمیت و ضرورت اور مسلم معاشرے پر ان کے احسانِ عظیم کا تذکرہ کرتے ہوئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ رقم طراز ہیں: ”ہم کو یہ صاف کہنا ہے کہ عربی مدرسوں کی جتنی ضرورت آج ہے، کل جب ہندوستان کی دوسری شکل ہوگی اس سے بڑھ کر ہوگی، یہ ہندوستان میں اسلام کی بنیاد اور مرکز ہوں گے، لوگ آج کی طرح کل بھی عہدوں اور ملازمتوں کے پھیر اور اربابِ اقتدار کی چاپلوسی میں لگے ہوں گے اور یہی دیوانے آج کی طرح کل بھی ہوشیار رہیں گے؛ اس لیے یہ مدارس جہاں بھی ہوں، جیسے بھی ہوں، ان کا سنبھالنا، اور چلانا مسلمانوں کا سب سے بڑا فریضہ ہے، اگر ان عربی مدرسوں کا کوئی دوسرا فائدہ نہیں تو یہی کیا کم ہے کہ یہ غریب طبقوں میں مفت تعلیم کا ذریعہ ہیں، اور ان سے فائدہ اٹھا کر ہمارا غریب طبقہ کچھ اور اونچا ہوتا ہے اور اس کی اگلی نسل کچھ اور اونچی ہوتی ہے، اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے، غور کی نظر اس نکتہ کو پوری طرح کھول دے گی۔“

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ ان مدارس کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں: ”اس وقت مدارسِ علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لیے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں، دنیا میں اگر اسلام کے بقا کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں۔“ (حقوق العلم: ۵۱)

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ یوں فرماتے ہیں: ”یہی کہنہی مدارس تھے (علماء اور طلباء کے نسبت مولانا کی خصوصی اصطلاح) جنہوں نے مسلمانوں کے ایک طبقہ کو خواہ ان کی تعداد جتنی بھی کم ہے، اعتقادی و اخلاقی گندگیوں سے پاک رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔“ (الفرقان، افادات گیلانی: نمبر ۱۸۸، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ۴۹/۱)

یہ مدارس معاشرے کو کیا دے رہے ہیں؟:

یہ ایسی واضح اور روشن حقیقت ہے کہ جس کا معاشرے کے حقیقی احوال سے ناواقفیت یا ایسا شخص ہی منکر ہو سکتا ہے جس نے جان بوجھ کر ان احوال سے آگہی کے باوجود اس سے آنکھیں موند لینے کی ٹھان لی ہو کہ دین کا بقاء و تحفظ، اسلامی اقدار و روایات کی پاس و حرمت، مسلمانوں کی اپنی شریعت کے ساتھ سچی وابستگی و عقیدت اور پورے معاشرے کے اصلاح و درستگی کا اگر کوئی کام انجام دے رہے ہیں تو یہی مدارس ہیں۔

جو کسی نہ کسی طریقے سے اصلاح امت اور بھلائی کے فروغ کے سارے کاز کو اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں، اور یہ مسلم معاشرے کی اسلام کے ساتھ حقیقی ربط و ضبط کی برقراری کے لیے تمام ضروریات کی تکمیل (جن میں مساجد کے لیے عملی صلاحیت کے حامل مقررین، اسلامی تعلیمات کی تدریس کے لیے مدرسین و اساتذہ کی فراہمی، امت مسلمہ کے مختلف مسائل اور اس کے اسلامی حل کے لیے دارالافتاء کے قیام اور اس کے لیے باصلاحیت صاحب بصیرت اور دور رس نگاہ مفتیان عظام کے نظم اور امت کے اصلاح کے کاز کو تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ، و عظ و ارشاد اور خانقاہی نظام کے ذریعے انقلاب برپا کرنے والے شامل ہیں) میں پوری تندرہی کے ساتھ بغیر کسی شور و شغب اور پروپیگنڈے کے مصروف عمل ہیں۔

معاشرے کی دینی ضروریات کی تکمیل میں مدارس کی حیثیت اس کسان کی سی ہے جو زمین کے ہموار کرنے، فصل کے اگانے، کٹائی سے لے کر اس غلہ اور اناج کے مارکٹ پہنچنے تک اپنی ساری توانائی اور قوت اس کے پیچھے صرف کرتا ہے، جو غلہ تمام انسانوں کی آسودگی اور بھوک مٹانے کا سبب بنتا ہے، دین کے تمام شعبوں کو زندہ، بیدار اور متحرک رکھنے میں مدارس کی یہی مثال ہے۔